سید عطاء المنان بخاری

امیر المؤمنین، امام المتقین، فاتح روم وایران، خسر احمد مجتبیٰ، داماد علی مرتضیٰ

سیدنا عمر ابن الخطاب سلام اللہ ورضوانہٗ علیہ

بنو عدی کے چشم و چراغ، فصیح اللسان، بلیغ البیان، فاتح روم وایران، مرادِ رسول، خسر احمد مجتبیٰ، داماد علی مرتضیٰ، خلیفۃ خلیفۃ الرسول، امیر المومنین، امام المتقین، وزیر درّ یتیم، خلیفہ ثانی، امامِ عادل وراشد و برحق سیدنا عمر الفاروق ابن الخطاب جو کہ السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں عرب کے جری و بہادر سپوتوں میں سے ایک تھے۔ آپ کے مقابلے کا آدمی قریش میں اس وقت نہیں تھا۔ مکہ کی فضائیں ابھی اسلام سے مانوس ہو رہی تھیں اور اہل اسلام قریش مکہ کے ظلم و جبر کی چکیوں میں پس رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی سرزمین پر رکھی ہوئی جبین مبارک، خشیت الٰہی سے آپ کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اور آسمان کی طرف مدد ونصرت کی آس لیے بار بار اٹھنے والے ہاتھوں اور لسان نبوت سے جاری دعاؤں کا جواب ملنے والا تھا۔

قبول اسلام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضرات صحابہ کرام کے ایمانوں کو جلا بخش رہے تھے کہ آپ کی دعا اللّٰھم **أعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة.** اے اللہ! خاص طور پر عمر ابن الخطاب کے ذریعے اسلام کو عزت بخش۔ (ابن ماجہ، ج ۱، ص ۳۹) کی قبولیت کی گھڑی بھی آ گئی سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی غرض سے گھر سے روانہ ہوئے اور بیت اللہ شریف کی طرف چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر بیت اللہ کے غلاف میں چھپتے چھپاتے حضور کی تلاوت سننے کی غرض سے آپ کے قریب پہنچے اور تلاوت سن کر خیال پیدا ہوا کہ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا کہ آپ شاعر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے آپ نے یہ آیات تلاوت کیں **وما هو بقول شاعر.** یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ حضرت عمر کو خیال آیا کہ یہ تو کاہن ہے کہ اس نے میرے دل کی بات معلوم کر لی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اگلی آیت تلاوت کی **ولا بقول كاهن** یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں ہے **تنزيل من رب العلمين.** بلکہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر کے دل میں اسلام اسی وقت موجزن ہو گیا اور بالآخر آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا ایک واقعہ معروف ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے شمشیر بدست نکلے اور پھر بہن اور بہنوئی کے اسلام کی خبر سنی تو ان کے پاس گئے وہ سورۃ طٰہٰ تلاوت کر رہے تھے ان کو خوب

مارا لیکن جب بہن نے کہا ''اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر لیا ہے۔'' تو دل کسی قدر پسیجا، پھر جب سورۃ طٰہٰ کی آیات جب آپ رضی اللہ عنہ کے قلب سے ٹکرائیں تو دل میں اتر گئیں اور آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ رسالت مآب کی دعاؤں کا جواب، اسلام کی عزت عمر کے روپ میں مجسم ہو کر اسی طرح ہاتھ میں تلوار تھامے دارِ ارقم کے دروازے پر آ گئی۔ امام اہل سنت جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب نکتہ ارشاد فرمایا کہ عمر نبی کے محافظ بن کر آئے تھے اور محافظ اسلحہ سے لیس ہوتا ہے اسی لیے تلوار ساتھ تھی، اگر تلوار دست مبارک میں نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت پوری طرح سے ظاہر نہ ہوتی، کیونکہ عزت کا ملہ تو سیف وسنان کے ساتھ ہی ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی۔ صحابہ پریشان ہو گئے کہ عمر ہیں اور تلوار لے کر آئے ہیں۔ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا: دروازہ کھول دو اور آنے دو اور سن لو! عمر اگر اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً وسہلاً اور اگر کسی ایذا رسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے اسلام لا اور پھر یہ دعا فرمائی: **اللھم اھد**۔ اس دن سے اسلام کی عزت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔

نام ونسب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنوعدی سے تھے اور آٹھویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ آپ کی صاحبزادی ام المومنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا کو حضور کی زوجہ مطہرہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ومشیر اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشیر اعلیٰ تھے۔ آپ تمام غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کی اور آپ کے بعد انصار ومہاجرین نے بیعت کی۔ قرآن کے بہت سے احکامات موافقات عمر رضی اللہ عنہ میں سے ہیں۔

پہلا خطبۂ خلافت:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔ چنانچہ ان کے انتقال پر ملال کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مومنوں کے امیر وخلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے منصب خلافت پر سرفراز ہوتے ہی پہلا خطبہ یہ ارشاد فرمایا:

> ''لوگو! میں تم ہی میں سے ایک ہوں اگر مجھے خلیفۂ رسول کی حکم عدولی گوارا ہوتی تو میں ہرگز یہ منصب قبول نہ کرتا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے دو رُفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔ بخدا تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا اسے میرے سوا کوئی اور طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہوگا اس میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق کفایت وامانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی سے پیش آئے تو میں انہیں سزا دوں گا۔''

دوسرا خطبہ:

خلافت کے پہلے روز ہی سے آپ کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا جو تین چار روز تک جاری رہا۔ آپ نے مسلمانوں کو حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق کے محاذِ جہاد کی طرف جانے کی دعوت دی تو لوگ آپ کی بات سنتے رہے اور منہ تکتے رہ جاتے کہ ایرانیوں کا مقابلہ کون کرے گا دو دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ امیر المومنین تیسرے روز جب گھر سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کی بیعت سے فارغ ہوئے۔ لوگوں کی نگاہیں آپ پر جمی تھیں آپ نے لوگوں کے چہرے پڑھ لیے تھے۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے ہیں اور میری درشتی سے کانپتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کا برتاؤ کرتا تھا جب ہمارے اور ان کے درمیان ابوبکر حائل تھے۔ اب کیا ہوگا جب کہ تمام معاملات کی زمام اس کے ہاتھ میں ہے اور جو بھی یہ کہتا ہے درست کہتا ہے...... مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ادنیٰ خادم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحم دلی میں آپ کے درجہ کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا کہ وہ مومنین کے لیے راحت و رحمت کا سر چشمہ ہیں۔ بارگاہ نبوت میں میری حیثیت ایک برہنہ تلوار کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے مجھے نیام میں فرما لیتے اور جب چاہتے اذن کارعطا فرما دیتے۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک مجھ سے راضی اور خوش رہے۔ اس سعادت پر مجھے فخر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر فراواں ادا کرتا ہوں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی زمام کار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی جن کے تحمل اور نرمی اور قوت برداشت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں ایک برہنہ شمشیر تھا جسے وہ نیام میں کر لیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اس طرح ان کے ساتھ بھی رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف بلا لیا۔ وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش اور راضی تھے۔

اور اے لوگو! اب تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سختی اب نرمی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو امن و سلامتی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی کرے گا تو میں اس وقت اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں۔ یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اپنی تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اپنے یہ حق مجھ سے حاصل کرلو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے کوئی شئے ناحق نہ لوں۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔ مجھ پر تمہارا حق یہ ہے میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کردوں۔ اور مجھ پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر

واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی نگہداشت کروں۔
اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مجھ سے درگذر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں ان سے متعلق مجھے بتاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔''

آپ کے دور میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ نورِ اسلام کا سیلِ رواں ظلمتِ کفر کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ آپ کے دورِ خلافت میں سلطنت اسلامیہ مصر، شام، عراق، ایران، مکران، خراسان اور آذر بائیجان تک پھیل گئی۔ آپ نے دس سال چھے ماہ اور چار دن امیر المؤمنین کی حیثیت سے گزارے۔ آپ جیسی حکومت نہ آپ سے پہلے کسی نے کی اور نہ آپ کے بعد کوئی کر سکے گا۔

شہادت کا واقعہ اور پس منظر:

امیر المؤمنین کی حیثیت سے آپ ہر سال حج کرنے جاتے اور وہاں پر مختلف صوبوں کے حالات معلوم کرتے اور گورنروں سے کارگزاری لیتے، امور سلطنت میں ان کی مزید رہنمائی کرتے۔ آخری سال یعنی ۲۳ھ میں بھی حج کو تشریف لے گئے اور یہ آپ کی زندگی کا آخری حج تھا ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منی سے ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا، کچھ سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترہ سا بنایا اس پر اپنی چادر ڈال کر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ قوتیں ایک ایک کر کے جواب دے گئی ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنی پاس بلا لے۔ اس حال میں کہ میرا دامن عجز وملامت سے پاک ہو۔''

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکہ سے واپس آتے ہی جمعہ کے روز مدینہ میں خطبہ عام ارشاد فرمایا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا جسے میں اپنی موت کا پیام سمجھتا ہوں میں نے دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کے مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں۔ اے لوگو! تم پر احکام فرض کر دیے گئے تمہارے لیے قانون حیات مرتب کر دیا گیا اور تمہیں ایک کھلی شاہراہ پر ڈال دیا گیا اب یہ اور بات ہے کہ لوگوں کو ادھر اُدھر بھٹکاؤ۔'' (طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۵، ۳۳۴)

حج کے بعد ایک روز آپ بازار میں گشت فرما رہے تھے کہ آپ سے ابولؤلؤ فیروز نامی ایک ایرانی غلام جو کہ جنگِ نہروان میں قید ہو کر آیا تھا اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، ملا اور کہنے لگا امیر المؤمنین مجھے مغیرہ بن شعبہ سے بچائیے۔ یہ مجھ سے بہت خراج لیتا ہے۔ سیدنا عمر نے پوچھا: تم اسے کتنا خراج ادا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: دو درہم روزانہ۔ سیدنا عمر نے پوچھا اور تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: کام تو میں کئی کرتا ہوں نجاری، آہن گری، نقاشی اور چکیاں بناتا ہوں۔ سیدنا عمر نے فرمایا: تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے یہ دو درہم روزانہ کا خراج کوئی زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔

میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بھی بنا سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگا: ہاں۔ فرمایا: تو پھر مجھے ایک ایسی چکی بنا دو۔ اس نے جواب دیا: اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ شرق وغرب کی دنیا یاد کرے گی۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سیدنا عمر بڑے زیرک انسان تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ جب وہ گیا تو آپ نے فرمایا اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔

قاتلانہ حملہ:

اس واقعے کے تین چار روز بعد ہی ۲۶؍ ذوالحج بدھ کے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھانے مسجد میں تشریف لائے تو اس روز وہ بھی مسجد میں امیر المؤمنین کے قتل کے ارادے سے آیا اور دو دھاری خنجر اپنی چادر میں چھپا کر مسجد میں ایک جانب چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب سیدنا عمر نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی تو اس نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ پر چھے وار کیے آخری وار آپ کے پیٹ میں لگا اور امیر المؤمنین زخمی ہو کر گر گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کیا گیا جنھوں نے نماز مکمل کروائی۔ ابولؤلؤ فیروز ایرانی مسجد سے نکل کر بھاگنے لگا صحابہ کرام نے اسکا تعاقب کیا۔ وہ دائیں بائیں خنجر چلاتا ہوا جارہا تھا۔ بارہ صحابہ اسی خنجر سے زخمی ہوئے جن میں نو آدمی جانبر نہ ہو سکے۔ آخر ایک صحابی پیچھے سے آئے اور اپنی چادر اس پر پھینکی۔ جب اس کو اپنے پکڑے جانے اور سازش کے پتہ چل جانے کا خطرہ محسوس ہوا تو اسی خنجر سے خودکشی کر کے اپنے آپ کو جہنم واصل کر لیا۔

زخمی حالت کے مبارک اعمال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی کے عالم میں کاشانہ خلافت میں لایا گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب صبح نمودار ہوئی تو آپ کو ہوش آیا آپ نے اپنے گرد آدمیوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا:

''لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''جس نے نماز چھوڑ دی اسلام میں اسکا کوئی حصہ نہیں۔''

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر لوگوں سے دریافت کیا کہ ''کیا یہ واقعہ تمہارے مشورہ سے ہوا؟'' سب لوگ سہم گئے اور یک زبان ہو کر کہا ''معاذ اللہ''۔ ہمیں اسکا علم نہیں کہ یہ حادثہ کیوں ہوا اور اس کے عوامل کیا تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پھر پوچھا: امیر المؤمنین پر حملہ کس نے کیا؟ لوگوں نے کہا: اللہ کے دشمن ابولؤلؤ فیروز ایرانی نے جو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آ کر جواب بتایا تو امیر المؤمنین نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کبھی کے کیے ہوئے ایک سجدے کو میرے خلاف حجت بناتا۔ الحمدللہ! مجھے کسی عرب، کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔''

اس کے بعد چار دن تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس حال میں رہے اور جو کچھ کھاتے وہ زخموں سے باہر آ جاتا اور خون مبارک مستقل بہے جا رہا تھا۔ جس سے آپ بہت کمزور ہو گئے آپ اپنے بعد خلافت سنبھالنے کے لیے چھے رکنی کمیٹی

تشکیل دی اور ان سے کہا کہ میرے بعد تین دن میں فیصلہ کرنا چوتھا دن نہ ہونے پائے اور تین دن تمہیں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھائیں گے۔ پھر آپ نے سلطنت کے متعلق وصیت فرمائی:

''میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ مہاجرین اولین کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے۔ مفتوحہ ممالک میں رہنے والے لوگوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے۔ دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے۔ صرف وہی کچھ ان سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ خوش دلی سے دے دیں۔ انصار مدینہ کا خاص خیال رکھا جائے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دیے اور ایمان کی حفاظت کی ان کا احسان تسلیم کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے۔ عربوں سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کرے۔ ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح سے پاس کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرے۔''

دنیا کے معاملات سے فراغت کے بعد آپ آخرت کی طرف متوجہ ہوئے آپ اکثر دعا کیا کرتے تھے:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلدک

اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت دینا اور اپنے رسول کے شہر میں موت عطا کرنا۔ (البدایہ، ج ۷، ص ۱۳۷)

اور آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی خواہش تھی کہ اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ دفن ہوں تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو ''عمر بن خطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں فرمایا: ''یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج عمر کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے واپس آکر بتایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور فرمایا:

الحمد للّٰہ ما کان من شئی اھم الی من ذلک ''اللہ کا شکر ہے کیونکہ اس سے اہم اور کوئی شئے میرے نزدیک نہیں تھی۔''

آپ نے فرمایا کہ مجھے دفن کرنے سے پہلے ایک بار پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرنا شاید انہوں نے میرے اقتدار کی وجہ سے اجازت نہ دے دی ہو۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وصیت کے مطابق عمل کیا۔

بالآخر یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں پڑھائی اور آپ کو اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں جنت میں اتار دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆......☆......☆